مرثیہ درحال جناب ابوالفضل العباس - (بند-۱۳۶)

نواب مولانا سید اصغر حسین فاخرؔ اجتہادی

(۱)

صدفِ گوہرِ مضموں ہے طبیعت میری
آبرو میں درِ مکنوں ہے طبیعت میری
تیزئی برق سے افزوں ہے طبیعت میری
جوش زن صورت جیحوں ہے طبیعت میری
روکتا میں نہ رہوں گر تو تلاطم ہو جائے
شعبہ ادنیٰ سا بھی اس بحر کا قلزم ہو جائے

(۲)

پر ہے قلزم سے جدا اس کی روانی کا طریق
جستجو اس کے کنارے کی ہے اک امر دقیق
تہہ کو پائے گا تو پائے گا میرا قلب غریق
ہاتھ آئے گہر نظم جو ہو فکر عمیق
کس طرح شور نہ عالم میں ہو مجھ عاصی کا
کام لیتا ہوں سدا فکر سے غواصی کا

(۳)

جوش ہے ساقیٔ کوثر کی ثنا خوانی کا
دھیان ہے بحر طبیعت کی بھی طغیانی کا
ڈر شناور کو بھی ہے توڑ ہے وہ پا نی کا
نقشہ دل کا ہے مرے کشتیٔ طوفانی کا
فضل گر فاخرؔ بے مایہ پہ تیرا ہو جائے
پار اک آن میں منجدھار سے بیڑا ہو جائے

(۴)

آبرو ساقیٔ کوثر کی غلامی سے ملی
نسل میں آپ کی ادنیٰ نہیں مجھ سا کوئی
بے بہے اشک ندامت کے نہ کر ذکر کبھی
آب کوثر سے وضو کر لے تو لے نام علیؑ
دور ہوں جرم تو تسنیم دہن بھی ہوجائے
ہو زباں موج تو پاکیزہ سخن بھی ہوجائے

(۵)

ملتجی تجھ سے ہے یہ بندہ احقر یا رب
مرثیہ گوئی میں تائید مری کر یا رب
عمر بھر کرتا رہوں مدحت حیدرؑ یا رب
رہے تا زیست اسی طرح زباں تر یا رب
قلب میں جوش ولا حضرت باری رکھنا
یوں ہی اس قلزمِ ذخّار کو جاری رکھنا

(۶)

ہاں زباں وصفِ علیؑ میں گہر افشانی کر
ذکر شبیرؑ سے دشمن کا بھی دل پانی کر
صورتِ بلبلِ شیراز خوش الحانی کر
رنگ سے صفحۂ قرطاس کو بستانی کر
خال ہو عارضِ محبوب کا جو نقطہ ہو
رشک بہزاد کو ہو نقش و نگار ایسا ہو

(۷)

وہ علیؑ جوکہ ہیں ہمنام علی اعلیٰ
وہ علیؑ خانہ کعبہ میں ہوئے جو پیدا
وہ علیؑ جسکا رسولوں سے سوا ہے رتبہ
وہ علیؑ ساقی کوثر جنہیں حق نے ہے کیا
وہ علیؑ جس سے روا حاجت محتاج ہوئی
وہ علیؑ دوش نبیؐ پر جسے معراج ہوئی

(۸)

وہ علیؑ جن کو شہ عقدہ کشا کہتے ہیں
وہ علیؑ جن کو رسولوں سے سوا کہتے ہیں
وہ علیؑ جن کو خدا سے نہ جدا کہتے ہیں
وہ علیؑ جن کو جری شیر خدا کہتے ہیں
وہ علیؑ مہد میں جس نے کیا چاک اژدر کو
وہ علیؑ جس نے اکھاڑا ہے در خیبر کو

(۹)

خلق سے سوئے جناں اٹھ گئیں جس دم زہراؑ
اپنے بھائی سے یداللہ نے اک دن یہ کہا
تم قبائل سے عرب کے بھی ہو آگاہ سوا
عقد ثانی مجھے منظور ہے کرنا اپنا
سب طرح نیک جو مشہور زمانے میں ہوں
چاہتا ہوں کہ شجاعوں کے گھرانے میں ہوں

(۱۰)

اس سے فرزند جری دے مجھے اللہ اگر
میرے شبیرؑ پہ سو جاں سے فدا ہو وہ پسر
ہونے والی ہے جو اک روز مصیبت ان پر
اپنے بھائی پہ بصد شوق یہ ہو سینہ سپر
اس طرح اور کوئی بھائی کی یاری نہ کرے
جان مظلوم سے میرے کبھی پیاری نہ کرے

(۱۱)

قصد جو شیر خدا کا تھا وہ اک روز ہوا
عقد جب مادر عباسؑ سے حضرت نے کیا
فضل حق سے ہوئے عباسؑ جری جب پیدا
گود میں حیدرؑ کرار نے خوش ہو کے لیا
بند ہی اپنی رکھیں نور نظر نے آنکھیں
گود میں باپ کے کھولیں نہ پسر نے آنکھیں

(۱۲)

دل ہوا مادر عباسؑ جری کا مضطر
کیوں نہیں کھولتا آنکھوں کو مرا نور نظر
آئے واں حضرت شبیرؑ بھی یہ سن کے خبر
اپنی آغوش میں بھائی کو لیا خوش ہوکر
باپ سے بڑھ کے بھی کچھ لطف برادر دیکھا
شوق سے کھول کے آنکھیں رخ سرورؑ دیکھا

(۱۳)

بچپنے سے ہی برادر پہ برادر تھا نثار
ایک دم دونوں کو بے دیکھے نہ آتا تھا قرار
سر حیدرؑ پہ لگی خانہ حق میں تلوار
پاس فرزندوں کو بلوایا علیؑ نے اک بار
اور اولاد کو حیدرؑ نے حسنؑ کو سونپا
ایک عباسؑ کو پر شاہؑ زمن کو سونپا

(۱۴)

جب سے شبیرؑ پہ عباسؑ تھے سو جاں سے فدا
چھوٹے بھائی کو سمجھتے تھے یہ بیٹو ں سے سوا
نزع میں جس کے لئے روئے تھے ضرغام خدا
اسی فرزند پہ آفت کا زمانہ آیا
کیا عداوت تھی لعینوں کو بن حیدرؑ سے
فصل گرما میں شہؑ دیں کو نکالا گھر سے

(۱۵)

طلب شاہ کو خط آئے جو بے حد و شمار
بے بسی سے ہوئے شبیرؑ سفر پر تیار
باخبر شہؑ کے ارادہ سے ہوئی جب بیمار
خدمت شاہؑ میں روتی ہوئی آئی اکبار
عرض کی روح مرے جسم میں گھبراتی ہے
آپ سے آج مجھے بوئے فراق آتی ہے

(۱۶)

کان میں میرے یہ آتی ہے صدائے صغرا
ان سے اب چھٹتی ہے جس باپ کی تو ہے شیدا
حیف ہے خانہ آباد یہ برباد ہوا
چپکے چپکے مری فرقت کا کہیں ہے شہرا
تذکرہ گھر میں یہ کیسا ہے سفر کا بابا
کہیے مجھ سے تو ارادہ ہے کدھر کا بابا

(۱۷)

کہا حضرت نے کروں حال میں کیا اپنا بیاں
حکم مالک کا جدھر ہوگا میں جاؤں گا وہاں
بولی کیا قصد ہے میرے لئے یا شاہ زماں
شہؑ نے فرمایا کہ بیمار بہت ہو مری جاں
ساتھ لے جاؤں سفر میں تمہیں کیوں کر صغرؑا
مضطرب ہو نہ، سنبھالو دل مضطر صغرؑا

(۱۸)

ایسے بیمار سے اٹھے گی سفر کی زحمت
لے تو جاتا پہ کروں کیا نہیں تم میں طاقت
گرمیٔ راہ سے بڑھ جائے گی تپ کی شدت
بے دوا کے نہ ہو کیوں قطع امید صحت
کیا کہوں جو غم فرقت ہے تمہارا مجھ کو
گھر میں بے چھوڑے تمہیں کچھ نہیں چارا مجھ کو

(۱۹)

کھینچ کر آہ یہ کرنے لگی بیمار بیاں
زیست سے یاس ہوئی اب مجھے یا شاہ زماں
درد فرقت سے یہ بچنے کی نہیں خستہ جاں
تنگ تر قبر سے بھی ہوگا اکیلا یہ مکاں
جب اکیلے میں طبیعت مری اکتائے گی
جان گھٹ گھٹ کے نہ سینہ سے نکل جائے گی

(۲۰)

خفقاں کھوئے گی بیمار کا گھر کی وحشت
ناتواں جسم میں فاقوں سے بڑھے گی طاقت
رمد چشم کو کھوئے گی جو ہوگی رقت
بے دوا کے یونہیں بیمار کو ہوگی صحت
گرم آہوں سے طبیعت بھی ٹھہر جائے گی
آتش غم سے تپ کہنہ اتر جائے گی

(۲۱)

نیند خوب آئے گی راتوں کو جو ہوگی الجھن
رنج و غم کھانے سے بالیدہ مرا ہو گا تن
یاد آئیں گے مجھے باپ نہ بھائی نہ بہن
چھٹ کے عیسیٰ سے سنبھل جائے گی بیمار محن
نزع کے کرب سے مل جائے گی راحت مجھ کو
جب اجل آئے گی ہو جائے گی صحت مجھ کو

(۲۲)

آسرا باپ کا اب ہے نہ مجھے بھائی کا
ہے تصور ہی سے یہ حال شکیبائی کا
دل دکھا دیتا ہے نقشہ مجھے تنہائی کا
اے مسیحا ہے یہی وقت مسیحائی کا
سب مرض سہل ہیں پر دید کا آزار نہ ہو
پاس عیسیٰ ہوں تو مضطر دل بیمار نہ ہو

(۲۳)

دید عیسیٰ ہو تو پھر چشم نہ بیمار رہے
ہو مسیحا جو قریب ایک نہ آزار رہے
کیوں نہ دل ہجر میں جینے سے بھی بیزار رہے
ناتواں دام محبت میں گرفتار رہے
دم کہیں ضیق نفس سے ہی خفا ہو جائے
طائر جاں قفس تن سے رہا ہو جائے

(۲۴)

غم فرقت کی نہیں تاب دل مضطر میں
درد نے کی ہے جگہ آکے ابھی سے سر میں
نام کو بھی رہی طاقت نہ تن لاغر میں
رہ سکوں گی میں نہ اک دن بھی اکیلے گھر میں
آہ بھی لب پہ نہ دکھ درد میں ہم لاویں گے
چین سے آپ کے ہمراہ چلے جاویں گے

(۲۵)

کچھ کریں آپ نہ ایذائے سفر کا بھی خیال
راہ میں کچھ نہیں ہونے کا مجھے رنج وملال
تپ نہ آئیگی تو جی بھی نہ مرا ہوگا نڈھال
فیض سے آپ کے دن رات رہوں گی میں بحال
دکھ بھی شاید کوئی ہوگا تو سہونگی بابا
ہر مصیبت میں بھی بشاش رہوں گی بابا

(۲۶)

بولے شہؑ کیوں تمہیں تنہائی کا اتنا ہے ہراس
نانی اور ماں تو رہیں گی مری بی بی کے پاس
حکم حق ہے یونہیں اس میں نہ کرو کچھ وسواس
اپنے جانے سے یہ سن کر ہوئی بیمار کو یاس
سر پہ قابو نہ رہا درد کی شدت بھی بڑھی
گرمئ تپ بھی بڑھی نبض کی سرعت بھی بڑھی

(۲۷)

ہوکے مایوس گری بستر غم پر بیمار
حکم شہؑ سے ہوا سامان سفر جب تیار
اہل یثرب میں ہوا شور یہ برپا یکبار
لو مدینہ سے چلے سبط رسولؐ مختار
قصد آنے ہی کا رکھتے نہیں سرورؑ افسوس
ہائے ویران ہوا شہر پیمبرؐ افسوس

(۲۸)

محمل و تخت و کجاوہ بھی جو آئے در پر
گئے ناموس کی رخصت کو حرم میں سرورؑ
بستر غم سے اٹھی کانپتی وہ خستہ جگر
نالے کرنے لگی یہ پیٹ کے وہ سینہ و سر
مثل عیسیٰ تن و جاں میں بھی جدائی ہوتی
آج تو موت ہی بیمار کو آئی ہوتی

(۲۹)

نالہ زن تھی کبھی چپ تھی کبھی مثل تصویر
کبھی روتی تھی کبھی پیٹتی تھی وہ دل گیر
کرگیا دل کو ہدف صدمہ فرقت کا تیر
اور بھی ہو گئی بیمار کی حالت تغیُّر
گھٹ کے دم کب کا نکل جاتا ہجوم غم سے
جاں رہی تن میں مسیحائے زماں کے دم سے

(۳۰)

آئے رخصت کو جو عباس قریب مادر
ہاتھ سے تھام کے دل کہنے لگی وہ مضطر
یاد رکھنا یہ نصیحت مری اے نور نظر
جان شبیرؑ سے کرنا نہ عزیز اے دلبر
یاد کچھ ہے جو کہا تھا دم رحلت بیٹا
باپ کی بھی یہی تم سے ہے وصیت بیٹا

(۳۱)

پہلے ان بھائیوں کو شاہ پہ کرنا قربان
لینا پھر آپ مُصر ہوکے رضائے میدان
عہد مجھ سے کرو دل کو ہو مرے اطمینان
سرخرو مادر ناشاد کو کرنا مری جان
پاؤں میداں سے دم جنگ نہ ہٹنے پائے
نام ننہیال کی جرأت کا نہ گھٹنے پائے

(۳۲)

عقد سے شیر الٰہی کا یہی تھا منشا
آبرو کیا مری اور نام بھلا کیا میرا
باپ کے نام کا بھی دھیان رہے اے بیٹا
امتحاں ہمت و جرأت کا بھی ہوجائیگا
حوصلہ پست نہ لاکھوں سے بھی ہو ہمت کا
حشر تک نام زمانے میں رہے جرأت کا

(۳۳)

عرض کی ماں سے یہ عباسؑ نے با دیدۂ تر
مجھ کو جرأت نہ دلاؤ میں علیؑ کا ہوں پسر
جان میں اور تصدق نہ کروں مولا پر
شک بھی اس بات کا توہین ہے میری مادر
نام جرأت کا گھٹایا کہ بڑھایا میں نے
آپ سن لیجیئے گا کام کیا کیا میں نے

(۳۴)

خوش ہوئی ماں یہ سخن سن کے پسر سے اپنے
بڑھی ملنے کے لئے نور نظر سے اپنے
آہ کی یاس سے لپٹا کے جگر سے اپنے
اشک برسانے لگی دیدۂ تر سے اپنے
کچھ عجب طرح کی تاری ہوئی حالت دل پر
گر پڑا کوہ مصیبت دم رخصت دل پر

(۳۵)

شہؑ بھی رخصت ہوئے جب سب سے ہوا غل اک بار
دیر سے ہے در دولت پہ سواری تیار
آپ حضرت نے کیا اہل حرم کو اسوار
بعد شہ کے ہوئے اسوار عزیز و انصارؑ
شور رونے کا ہر اک سمت اٹھا یثرب سے
کوچ سلطانؑ حجازی نے کیا یثرب سے

(۳۶)

طول ہوگا جو صعوبات سفر کا ہو بیاں
صبح دوم جو ہوئی ماہ محرم کی عیاں
جلوہ گر شہؑ سے ہوا کرب و بلا کا میداں
بند ہفتم سے لعینوں نے کیا آب رواں
صبح عاشور کو اعدا سے وغا ہونے لگی
قتل میدان میں افواج خدا ہونے لگی

(۳۷)

کام آنے لگے پھر رن میں عزیزان حسینؑ
صبر کرتے تھے پہ ہوتا تھا دل شہؑ بچین
دل کو شق کرتے تھے کچھ اور بھی رانڈوں کے بین
جا کے ہر لاش پہ روتے تھے امامؑ کونین
ظہر تک اک نہ رہا مونس و یاور باقی
رہ گئے اکبرؑ و عباسؑ دلاور باقی

(۳۸)

دونوں بیتاب ہیں میداں کی اجازت کے لئے
تیغیں ابرو کی کھینچی فوج ضلالت کے لئے
جوش کھاتا ہے لہو تن میں شہادت کے لئے
کمریں باندھی ہیں مولا کی اطاعت کے لئے
باہم آئے ہیں شہؑ دیں سے جدا ہونے کو
سر جھکے ہیں قدم شہؑ پہ فدا ہونے کو

(۳۹)

چار آنکھیں نہیں کرتے ہیں جھکائے ہیں سر
منھ سے کہتے نہیں کچھ بھی ادب شہؑ سے مگر
چپکے چپکے ہیں رواں آنکھوں سے آنسو منھ پر
بھائی یہ اور نہ وہ خود کو سمجھتے ہیں پسر
آنکھیں اشکوں سے چھلک جاتی ہیں جاموں کی طرح
سامنے حاضر خدمت ہیں غلاموں کی طرح

(۴۰)

شہ نے دونوں سے کہا دل کی تمنا کیا ہے
کچھ کھلے تو کہ دلیروں کا ارادہ کیا ہے
مجھے حیرت ہے کہ یہ حال سراپا کیا ہے
کیوں ہو چپ صورت تصویر یہ نقشہ کیا ہے
مثل گیسوئے پریشاں کے پریشانی ہے
صاف رخ پر صفت آئینہ حیرانی ہے

(۴۱)

عرض کی اکبرؑ و عباسؑ نے یا شاہؑ ہدا
جب سے میدان میں فرزند حسنؑ قتل ہوا
طالب جنگ ہیں اُس وقت سے رن میں اعدا
طعن و تشنیع کی سن لیجئے آتی ہے صدا
زندہ یاور نہیں ناصر نہیں احباب نہیں
اب رضا دیجیئے سننے کی ہمیں تاب نہیں

(۴۲)

ساتھ ہم دونوں لڑیں گے تو کہیں گے اعدا
کی وغا لاکھوں سے شبّر کے پسر نے تنہا
ڈر کے ساتھ آئے ہیں رن میں یہ جواں بہر وغا
ہم میں سے ایک کو پہلے ہو عطا رن کی رضا
ایک پسپا کرے میداں میں پرے لشکر کے
اک حفاظت کے لئے پاس رہے سرورؑ کے

(۴۳)

کہا اکبرؑ نے رضا دیں مجھے پہلے سرورؑ
بولے عباسؑ بھتیجے سے بحال مضطر
تم ابھی ٹھہرو مرے سر کی قسم اے دلبر
حق چچا کا بھی میں قربان ہوں کچھ ہے تم پر
جو فریضہ ہے مرا اُس کو ادا ہونے دو
مجھ کو پہلے شہؑ والا پہ فدا ہونے دو

(۴۴)

دی چچا نے جو قسم ہو گئے خاموش اکبرؑ
شہؑ سے کہنے لگے عباسؑ دلاور یہ مگر
دیجئے اذن وغا اب مجھے بہر حیدرؑ
قتل ہوں راہ خدا میں تو ملے ارث پدر
ہاتھ کس پیار سے تھاما تھا شہؑ والا نے
آج ہی کے لئے پالا تھا مجھے بابا نے

(۴۵)

ماں نے جو جو کہا اس باب میں وقت رخصت
جانتے ہیں اسے شہؑ عرض کی ہے کیا حاجت
دیر مرنے میں ہوئی کم نہیں یہ بھی خجلت
مٹ نہ جائے کہیں جو آپ نے دی ہے عزت
بے ضیاؤں کو نہیں قدر مہ و اختر کی
آبرو جا کے پھر آتی ہی نہیں گوہر کی

(۴۶)

شہؑ نے بھائی سے بصد لطف و کرم فرمایا
تم نے جو کچھ کہا یہ سب ہے یونہی اے بھیا
مگر اب تک جو نہ دی میں نے تمہیں رن کی رضا
مصلحت تھی یونہی رخصت کا نہ وقت آیا تھا
ہم بغل ہونے مرے پاس تو آؤ بھائی
روکتا اب میں نہیں، شوق سے جاؤ بھائی

(۴۷)

داغ دینے کے لئے خیر یہ دل حاضر ہے
غم پہ غم جو ہوں حسینؑ ابن علیؑ صابر ہے
حوصلہ کم ہے نہ ہمت ہی مری قاصر ہے
وہی بیکس کا مددگار وہی ناصر ہے
جس قوی پر ہے ضعیفی میں توکل مجھ کو
اس بلا میں بھی وہی دیگا تحمل مجھ کو

(۴۸)

میری تنہائی کا کچھ غم نہ کرو اے بھائی
ایک یہ لال ہے لاکھوں کی وغا کو کافی
پاس بیکس کے نہ جب ہونگے علی اکبرؑ بھی
ہوگا اس وقت بھی تنہا نہ حسینؑ ابن علیؑ
دور کے دوست مرے سنگ فلاخن ہونگے
مثل احباب کے گھیرے ہوئے دشمن ہونگے

(۴۹)

عیش و آرام سے ہوگی غم ہجراں میں بسر
ایک آنسو بھی بہانے کے نہیں دیدۂ تر
روشنی بخش ہے آنکھوں کا غم نور نظر
بھائی کے بار علم سے نہیں جھکنے کی کمر
شاد دل ہوگا نہ ہوگا جو پسر پہلو میں
مرنے سے بھائی کے آئے گی سکت بازو میں

(۵۰)

مرنے جاتے ہو تو ناموس سے مل تو آؤ
بنت حیدرؑ سے بھی گر رخصت میداں پاؤ
شوق سے پھر طرف لشکر اعدا جاؤ
جنگ میں شیر الٰہی کے ہنر دکھلاؤ
غل ہو فوجوں میں یہ خالق کے ولی لڑتے ہیں
یا لب نہر یہ عباسؑ علیؑ لڑتے ہیں

(۵۱)

کرکے تسلیم چلے خیمہ کو بادیدۂ تر
در پہ پہونچے تو یہ فضہؑ نے کہا پیٹ کے سر
کام سب آگیا میدان میں شہؑ کا لشکر
پاس اب شہ کے نہیں کوئی سوائے دلبر
غم جدائی کا شہنشاہ زمن کھاتے ہیں
سب سے ملنے کو علمدارؑ جری آتے ہیں

(۵۲)

تذکرہ یہ تھا ابھی گھر میں جو آئے عباسؑ
آئے رخصت کے لئے حضرت زینبؑ کے پاس
بولیں وہ بھائی سے کیا وجہ جو چہرہ ہے اداس
عرض کی ہے شہ والا پہ عجب عالم یاس
دیتے ہی نہ تھے کسی طرح اجازت مجھ کو
ہاتھ جوڑے ہیں تو دی جبر سے رخصت مجھ کو

(۵۳)

لیکن اس شرط سے مجھ کو ہے ملی اذن وغا
آپ بھی کیجئیے رخصت تو بنے کام مرا
بولیں کس پاس سے میں دوں تمہیں مرنے کی رضا
تم جو جاؤ گے تو رہ جائیں گے حضرت تنہا
یہ کچھ امید نہیں فاطمہؑ کی جائی کو
کون لاکھوں سے بچائے گا مرے بھائی کو

(۵۴)

عرض کی پاس ابھی شہؑ کے علی اکبرؑ ہیں
چار سو آپ کو گھیرے ہوئے اہل شر ہیں
یہی رنج و الم و غم بھی مرے دل پر ہیں
بعد ان کے بھی اکیلے شہؑ بے یاور ہیں
جب بگڑ جاتی ہے تقدیر نہیں بنتی ہے
کیا کروں اب کوئی تدبیر نہیں بنتی ہے

(۵۵)

کب یہ ممکن ہے کہ میں ہوں نہ شہؑ دیں پہ فدا
فرض گر یہ بھی کیا جائے تو پھر فائدہ کیا
بعد ہمشکل نبیؐ مرنے کی پھر لوں گا رضا
دھیان ہوگا یہی پھر شاہؑ کی تنہائی کا
داغ فرزند کا ہر غم سے کہیں بڑھ کر ہے
پہلے اکبرؑ کے فدا ہوں میں، یہی بہتر ہے

(۵۶)

دیر تک سوچ کے زینبؑ نے یہ ارشاد کیا
جو کہا تم نے وہ بیشک ہے درست اور بجا
ان سے مرنے کی رضا لو جو بہن ماں کی ہے جا
اذن وہ دیں گی تو منظور مجھے بھی ہوگا
خاص اس امر میں وہ مجھ سے سوا اولیٰ ہے
تمہیں کلثوم نے بیٹوں کی طرح پالا ہے

(۵۷)

عرض کی آپ کو بھی دوں گا میں تھوڑی تکلیف
لے چلیں ساتھ مرے دختر زہراؑ تشریف
دور اندیشیوں کی ہو نہیں سکتی تعریف
اس نصیحت کا بھی ممنون نہ کیوں کر ہو نحیف
اذن اُن سے جو نہ لیتا تو قباحت ہوتی
چھوٹی ہمشیر شہؑ دیں سے خجالت ہوتی

(۵۸)

ناگہاں آئیں وہاں آپ سے ام کلثوم
بولیں زینبؑ کہ تمہیں بھی ہے بہن کچھ معلوم
یہ بھی جاتے ہیں پئے نصرت شاہؑ مظلوم
تم سے آتے تھے رضا لینے وہیں یہ مغموم
نہیں معلوم کہ کیا سوچ کے گھبراتے تھے
ساتھ مجھ کو بھی سفارش کے لئے لاتے تھے

(۵۹)

عرض کی خواہر سرورؑ نے میں سمجھی مطلب
فکر اس کی تھی رضا دیکھئے ملتی ہے کب
لے چکے شاہؑ سے اور آپ سے یہ رخصت جب
طالب اذن وغا مجھ سے ہیں بیکار پھر اب
جو منافی ہیں وہ باتیں کب ہمیں زیبا ہیں
آپ ہم تابعِ فرمان شہؑ والا ہیں

(۶۰)

جب ملی زینبؑ وکلثومؑ سے بھی رن کی رضا
شور ناموس پیمبرؐ میں ہوا رونے کا
پوچھا فضہؑ سے سکینہؑ نے یہ کیسی ہے صدا
بولی وہ جاتے ہیں میدان کو بی بی کے چچا
جان ہونٹوں پہ جو افراط عطش سے آئی
ہاتھ میں مشک لئے پاس چچا کے آئی

(۶۱)

بولے اب پیاس کے اٹھ سکتے نہیں رنج ومحن
ایک آتش سی کلیجہ میں مرے ہے روشن
کہہ کے یہ تھام لیا اپنے چچا کا دامن
جانے دوں گی نہ ابھی میں سوئے فوجِ دشمن
مشک لے کر مدد شاہؑ ہدا کو جاؤ
پہلے پانی مجھے لادو تو وغا کو جاؤ

(۶۲)

مشک کو لے کے یہ عباسؑ دلاور نے کہا
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا یہ قلق بی بی کا
کیا کہوں شق ہوا جاتا ہے کلیجہ میرا
شامل حال ہمارے ہے اگر فضل خدا
پانی پانی میں اسی غم سے ہوا جاتا ہوں
ابھی دریا سے یہ مشکیزہ بھرے لاتا ہوں

(۶۳)

سن کے یہ چھوڑ دیا ہاتھ سے اس نے دامن
مل کے سب سے یہ چلے جانب فوج دشمن
در تک آئے تھے ابھی آپ بصد رنج و محن
اتنے میں زوجہ بھی کہتی ہوئی آئی یہ سخن
مجھ سے کیوں کہتے بھلا رن کی اجازت کے لئے
میں تو میں آئے نہ بچوں سے بھی رخصت کے لئے

(۶۴)

دھیان میرا نہ صحیح ان کا بھی کچھ پاس نہیں
گھر میں پھر آنے کی میداں سے کوئی آس نہیں
بے ملے جاتے ہوئے آپ کو وسواس نہیں
یہ ہیں سیراب کئی دن سے انہیں پیاس نہیں
باپ کو کیا کوئی بیٹوں کی خبر لینی تھی
انہیں تسکین بھی پانی کی عبث دینی تھی

(۶۵)

تم تو جاتے ہو بتاؤ انہیں چھوڑا کس پر
مجھ سے تنہا نہیں پلنے کے تمہارے یہ پسر
بولے یہ حافظ وحامی ہے خدائے داور
مرنے والے کی نہ گھر پر ہے نہ بچوں پہ نظر
اب شہادت کے سوا ایک بھی ارمان نہیں
یاد حق میں مجھے گھر بار کا کچھ دھیان نہیں

(۶۶)

تم کو بچوں کو میں کرتا ہوں حوالے حق کے
ہو نہ تاخیر کہیں اب نہ کہو کچھ مجھ سے
شاد کیسا دل ناشاد تھا مرنے کے لئے
تابہ در آئے تو رومال سے آنسو پونچھے
رنگ ہی اور ہوا شیر جو در پر آیا
غیظ ہمراہ جری پردہ کے باہر آیا

(۶۷)

دیر سے گو در دولت پہ فرس تھا تیار
ابھی لیکن نہ ہوا زین پہ غازی اسوار
پا پیادہ ہی چلا خدمت شہؑ میں جرار
پیچھے خادم لئے آتا تھا ادب سے رہوار
دھیان تھا پاس و ادب شہ کا نہ جانے پائے
آپ تک گرد سم اسپ نہ آنے پائے

(۶۸)

عرض کی آپ کے اقبال سے اے سبط نبی
خواہران شہ والا سے رضا رن کی ملی
شہ نے ارشاد کیا خیر سدھارو بھائی
زور تقدیر پہ کوئی ہے نہ قابو کوئی
صبر کے واسطے حاضر یہ دل مضطر ہے
مرضئ حق میں جو گذرا ہے وہی بہتر ہے

(۶۹)

پا پیادہ جو بڑھے وہ یہ کیا شہ نے بیاں
بخدا اب نہ یہ تکلیف کرو بھائی جاں
چڑھ کے گھوڑے پہ یہیں سے ہو سوئے دشت رواں
عرض کی حکم سے مجبور ہوں یا شاہؑ زماں
کبھی نسبت نہیں محکوم کو کچھ حاکم سے
ورنہ یہ بے ادبی ہوتی نہ اِس خادم سے

(۷۰)

کر کے تسلیم ہوا رخش پہ غازی اسوار
حسن دکھلانے لگا وہ فرس شیر شکار
کہیں طاؤس بنا اور کہیں آہوئے تتار
دلبری چال میں وہ جس پہ ہوں پریاں بھی نثار
کبھی تھم تھم کے رواں تیز کبھی جاتا تھا
دو قدم پیچھے کبھی ساتھ کبھی سایہ تھا

(۷۱)

بیقراری میں وہ تیزی کہ خجل ہو بجلی
اُس سیہ آنکھ سے پھیکا کہیں رنگ لیلی
حسن سے قاف میں روپوش تھی اک ایک پری
چشم نرگس ہے بڑی تھوتھنی وہ چھوٹی سی
شوخی و تیزی و سرعت سے بھرا سینہ ہے
ماتھا روشن کہ حلب کا کوئی آئینہ ہے

(۷۲)

ہر کنوتی کا دم غیظ و غضب ہل جانا
یاد بسمل کو دلاتا تھا سنانیں کھانا
قہر صرصر کو ہوا اس کا جھپٹ کر آنا
سخت مشکل تھا اسے گرد قدم کا پانا
ساتھ چلتی تھی پہ ہر گام پھری جاتی تھی
دمبدم اس کے تھپیڑے سے گری جاتی تھی

(۷۳)

باد پا کو کیا میداں میں جری نے جو لاں
حسن سے نیزہ ہلانے لگا یہ شیر ژیاں
غیظ میں مثل علیؑ رخ سے جلالت ہے عیاں
رعب و ہیبت سے لگے کانپنے لشکر کے جواں
غل تھا دل خوف سے سینوں میں ہلے جاتے ہیں
شیر آتا ہے کہ عباسؑ جری آتے ہیں

(۷۴)

پہونچا اس شان سے میدان میں جب وہ جرار
سامنے فوج کے چُمکار کے روکا رہوار
ناگہاں بہر رجز آپ نے یوں کی گفتار
چرخ سے میرے پدر کے لئے اتری تلوار
لافتیٰ سے یہی مطلب تھا علیؑ یکتا ہیں
فرد وہ تیغ تھی لاسیف کے یہ معنیٰ ہیں

(۷۵)

کس بشر سے ہو بیاں جرأت وہمت ان کی
مثل خورشید کے روشن ہے سخاوت ان کی
در خیبر سے کھلی خلق پہ قوت ان کی
پوچھ لو حضرت جبریل سے ضربت ان کی
جن بھی صدمہ سے اسی ضرب کے گھبرائے تھے
پر وہ لٹکائے ہوئے پیش نبیؐ آئے تھے

(۷۶)

بولے غدار کہ دھوم ان کی شجاعت کی ہے
جرأت و تاب وتواں کیا وہی تم میں بھی ہے
آپ بولے کہ حقیقت یہ کہاں میری ہے
ہاں شجاعت وہ دکھاتا ہوں جو موروثی ہے
امتحاں کے لئے آتا نہیں کوئی رن میں
جوش کھاتا ہے پئے جنگ وہی خوں تن میں

(۷۷)

نام عباسؑ مرا اور ہے ابوالفضل لقب
جانتے ہیں مرا ننہیال شجاعان عرب
ہیں شجاعت مری ددھیال کی مانے ہوئے سب
مثل خورشید کے روشن ہے حسب اور نسب
سامنے میرے اٹھاتے نہیں سر ظالم بھی
لوگ کہتے ہیں مجھے ماہ بنی ہاشم بھی

(۷۸)

ناگہاں شمر ستمگار یہ بولا بڑھ کر
سچ ہے ،ننہیال تمہارا ہے، شجاعوں کا گھر
ہیں بہن میری قرابت میں تمہاری مادر
خود نیستان شجاعت کے ہو تم شیر نر
کیا کہوں تم سے جو ہے الفت قلبی مجھ کو
رحم آتا ہے جوانی پہ تمہاری مجھ کو

(۷۹)

غم مجھے یہ ہے کہ گھیرا ہے تمہیں اعدا نے
تم ہو جس مرتبہ کے کوئی اسے کیا جانے
عزت ایسی تمہیں کیا دی ہے شہؑ والا نے
قدر کچھ کی نہ تمہاری پسر زہراؑ نے
کم تمہارے لئے منصب ہے علمداری کا
عہدہ لو آکے یہاں فوج کی سرداری کا

(۸۰)

سن کے یہ غیظ میں کی آپ نے ظالم پہ نگاہ
دعویٰ تجھ کو ہے قرابت کا مگر ہے بد خواہ
مثل ابلیس کے بہکاتا ہے تو او گمراہ
پڑھ لے لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ
یوں یگانے ہوں تو بد ہیں کہیں بیگانے سے
خضر بہکیں گے نہ شیطان کے بہکانے سے

(۸۱)

حکم شہؑ ہو تو اماں دوں نہ ستمگر تجھ کو
ابھی اس تیغ سے کرتا ہوں میں بے سر تجھ کو
ظلم کرتا ہے، خدا کا بھی نہیں ڈر تجھ کو
رحم آتا نہیں کچھ سبط نبیؐ پر تجھ کو
جھوٹ کہتا ہے، نہیں تجھ کو محبت مجھ سے
شاہؑ سے جب ہے تو پہلے ہے عداوت مجھ سے

(۸۲)

یہ نشاں وہ ہے کہ جو ہے علم فتح و ظفر
جسکا اب تک نہ جھکا خاک مذلت پر سر
حمزہ و جعفر طیار تھے نازاں اس پر
حامل اس کے تھے بصد شوق جناب حیدرؑ
زوف ہے لشکر ابلیس کی سرداری پر
فخر ہے فوج الٰہی کی علمداری پر

(۸۳)

مجھ سے سازش تجھے مکار یہ نا زیبا ہے
رفعت و اوج مرا دیکھ اگر بینا ہے
افسریٔ سپہ کیں پہ تو ہی مرتا ہے
تو ہے کیا فوج تری کیا ہے یہ منصب کیا ہے
خوب میں جانتا ہوں اس تری مکاری کو
چھین لے پہلے عمر سے تو ہی سرداری کو

(۸۴)

شیر بپھرا ہوا میداں میں جو یوں للکارا
دشت اس قہر کی آواز سے گونجا سارا
بات کرنے کا رہا پھر نہ شقی کو یارا
گھوڑا کڑکا کے بڑھا رن کو علیؑ کا پیارا
تھم گئی برق بھی اس طرح یہ بیتاب ہوا
یہ تو یہ، قطرہ پسینہ کا بھی سیماب ہوا

(۸۵)

ڈر کے نیزوں سے لگے روکنے رن میں غدار
شیر سیرت جو تھا عباسؑ جری کا رہوار
پاس آسکتے نہ تھے ان کے فرس کے اسوار
یا علیؑ کہہ کے علمدارؑ نے کھینچی تلوار
میان سے جنبش لب ہوتے ہی سن سے نکلی
لفظ تلوار (سے) کے گویا یہ دہن سے نکلی

(۸۶)

ڈر کے اب سر نہ کسی بانیٔ شر نے کھینچا
نالہ بیم و رجا شمر و عمر نے کھینچا
دست شمشیر جو یاں شیر ببر نے کھینچا
خوف سے ہاتھ اُدھر فتح و ظفر نے کھینچا
تیغ نے شق کیا یوں قلب وجگر کو پہلے
قطع اس نے کیا امید ظفر کو پہلے

(۸۷)

شان سے یہ جو میان صف کفار آئے
بڑھ کے لینے عمر و شمر ستمگار آئے
غل ہوا جنگ کو کیا حیدر کرارؑ آئے
دی صدا طبل وغانے کہ علمدار آئے
فتح ہمراہ سواری ہے غلامی کے لئے
خودعلم جھک گئے لشکر کے سلامی کے لئے

(۸۸)

کاٹھیوں سے صف کیں میں بھی کھچیں تلواریں
بازی شیر سے جانیں نہ عدو کیوں ہاریں
خوف سے صورت تصویر ہیں کیا دم ماریں
تیغ چلنے لگی اڑنے لگیں خون کی دھاریں
دست قزاق اجل سے زر جاں لٹتے ہیں
چمن زخم میں فوارے بھی یاں چھٹتے ہیں

(۸۹)

آب شمشیر سے یہ باغ کھلا تھا گویا
زخم بکسا کوئی تن کا کہ گل سرخ کھلا
دست و پا کٹتے تھے یا کوئی شجر چھٹتا تھا
نالے بسمل کے تھے یا زمزمہ تھا بلبل کا
جی تھے ہارے پہ خجالت سے لڑے جاتے تھے
صورت سرو زمیں میں وہ گڑے جاتے تھے

(۹۰)

پھل میں تلوار کے کیا زہر ہلاہل تھا بھرا
جس نے کھایا تن زخمی میں سم اس کا چھٹکا
لہلہاتا ہوا اک سبزہ نظر آنے لگا
جابجا خون کی سرخی میں شفق کا تھا مزا
تیغ کے ساتھ اجل سر پہ پکار آتی ہے
اسی گلشن میں خزاں بن کے بہار آتی ہے

(۹۱)

زخم ہنستے ہیں تنوں کے گل خنداں کی طرح
کوچۂ زخم ہیں ویران بیاباں کی طرح
ہے کجی تیغ میں ابروئے حسیناں کی طرح
ہے ہلال اور ہے روشن مہ تاباں کی طرح
مئ خوں پی کے ہے ہشیار بھی اور غافل بھی
یہ نئی بات ہے ناقص بھی ہے اور کامل بھی

(۹۲)

کوندتی آئی صفت برق کے یہ مغفر پر
ضوتھی چھائی ہوئی اک تیغ کی سب لشکر پر
کبھی جوشن پہ گئی اور کبھی بکتر پر
کبر کے جن کو اتارا یہ چڑھی جب سر پر
فرد تھی جوہروں میں آب میں یہ کامل تھی
تھی پری آپ مگر جن کے لئے عامل تھی

(۹۳)

تیغ پر آپ کی تیزی کا ہو کس طرح بیاں
ڈر ہے مانند قلم قطع نہ ہو جائے زباں
اسپ و شمشیر ہوئے دشت وغا میں جو رواں
حال اس وقت ہوا تیغ کی تیزی کا عیاں
کبھی صرصر نہ نکلتی تھی فرس کے آگے
ہاتھ بھر تیغ ہی چلتی تھی فرس کے آگے

(۹۴)

ایک تلوار سے تھا لطف نہ کیا کیا رن میں
اک طرف آگ کا طوفان اٹھا تھا رن میں
تھا رواں ایک طرف خون کا دریا رن میں
کبھی دم توڑتے تھے کشتۂ اعدا رن میں
نظر آتی تھی نہ لاشوں سے زمیں میداں میں
رقص بسمل کا تماشہ تھا کہیں میداں میں

(۹۵)

اے زہے جرأت و تدبیر جناب عباسؑ
پہلواں بہر وغا آئے نہ جب ان کے پاس
خود بڑھے ان کی طرف ہو کے یہ بےخوف وہراس
شیر کو دیکھ کے غصہ میں اڑے رخ سے حواس
بے چلے تیغ جری کھل گئے جوہر اُن کے
مردنی چھا گئی پہلے سے رخوں پر اُن کے

(۹۶)

جاتے ہی یوں گرا اس غول پہ فرزند علیؑ
شیر جس طرح شغالوں پہ جھپٹتا ہے کبھی
تیر و شمشیر و سناں سے نہ لیا کام کوئی
ایک اِدھر اور اُدھر ایک بڑھا دست قوی
بے کمند آگئے غدار جری کے بس میں
گردنیں تھام کے ٹکرا دیئے سر آپس میں

(۹۷)

فاخرؔ اس تیرے بیاں سے نہ یہ معلوم ہوا
سر تو ٹکرائے پہ کاسوں کا ہوا کیا نقشہ
اب اس اجمال کی تفصیل میں لکھتا ہوں ذرا
اے زہے قوت دست پسر شیر خدا
نشے سر میں نہ رہے کبر کے کافور ہوئے
مغزِ سر پس گیا یوں کاسۂ سر چور ہوئے

(۹۸)

اس وغا سے ہوا میداں میں تلاطم برپا
آب شمشیر علمدار کا طوفاں تھا اٹھا
کشتی فوج تھی بیتاب کہ موج دریا
دامن تیغ کے بیڑے کو مخالف تھی ہوا
جز اماں کے کہیں پایا نہ نشاں ساحل کا
ہوگیا غرق تلاطم میں سفینہ دل کا

(۹۹)

آب وہ تیغ کی جس سے تھا کسی کو نہ مفر
کوئی بیتاب تھا فوجوں میں کوئی تھا مضطر
آنسو آنکھوں میں بھرے تھے جو بصد خوف وخطر
پتلیاں اشکوں میں ڈوبی ہوئی آتی تھیں نظر
طرفہ طوفان دم جنگ اٹھا اعدا میں
غرق لو مردم آبی بھی ہوئے دریا میں

(۱۰۰)

شور تھا آب دم تیغ کا طوفاں ہے بلا
ڈوب جائے نہ کہیں لشکر کیں کا بیڑا
پھر ہے جاں خیر کہ صحرا کی ابھی ہے یہ وغا
جنگ دریا پہ جو ہوگی تو وہاں کیا ہوگا
بحر خوں آب دم تیغ یہ دریا ہوگا
تین دریاؤں کا طوفاں جو اٹھا کیا ہوگا

(۱۰۱)

پاؤں رن میں نہ تھمے ہو گیا پسپا لشکر
خود بھگا کر انہیں لے آیا اسد دریا پر
تیغ کے گھاٹ اترنے لگے سب اہل شر
صورت موج ہوئے قلب سپہ کے مضطر
ڈر سے حلقے پڑے آنکھوں میں رکابوں کی طرح
تیغ نے کاسۂ سر توڑے حبابوں کی طرح

(۱۰۲)

کسی سفاک پہ اک زخم پڑا گر کاری
ایک ساحل پہ ہوا خون کا دریا جاری
جان تک بازی ضرغام سے سب نے ہاری
نوبت تیغ گئی آئی اجل کی باری
تیغ نے خون پیا جان قضا نے کھائی
لاش کس شوق سے مرغان ہوا نے کھائی

(۱۰۳)

استخواں جسم کے حصہ میں سگوں کے آئے
مستحق اسکے تھے جو جو حق انہوں نے پائے
بے نشانی کا ہے منشا نہ نشاں رہ جائے
دفن جو ہو تو زمیں قبر کی اس کو کھائے
آب شمشیر سے سب فتنہ و شر پاک ہوا
بو ترابی سے لڑا جو وہ یونہی خاک ہوا

(۱۰۴)

دہشت تیغ سے مدقوق تھے رن میں غدار
زردیٔ رخ سے عیاں تھے یرقاں کے آثار
لاغری کا صفت لرزہ کسی کو آزار
آنکھ تو صورت نرگس ہے ازل سے بیمار
تیغ کے دیدۂ جوہر سے ہیں نابود آنکھیں
ہیں حباب یم خوں یا رمد آلود آنکھیں

(۱۰۵)

خوف چھایا ہوا اس شیر کا تھا لشکر پر
کبھی تلوار زرہ پر تھی کبھی بکتر پر
شور فوجوں میں ہوا یہ جو گئی مغفر پر
تیغ پُر آب کا طوفان اٹھا ہے سر پر
ڈوبی اب کشتیٔ تن صدمہ جانی پہونچا
ہاتھ بھر سر سے سوا تیغ کا پانی پہونچا

(۱۰۶)

تہ و بالا جو ہوا جنگ جری سے لشکر
ڈاڑھیاں دانتوں میں دابے تھے یلان خودسر
خود گریزاں تھے علمدار سیاہ کافر
چادریں اپنی ہلاتے تھے پھریرے اڑ کر
تیغ کھینچے لب دریا جو یہ ذیشاں نکلا
بحر سے بہر اماں پنجۂ مرجاں نکلا

(۱۰۷)

آنکھیں ملنے لگے کس شوق سے قدموں پہ حباب
دید سقائے حرم کو ہوئیں موجیں بیتاب
اشک آنکھوں میں بھرے تکتی تھی چشم گرداب
سر کو ٹکراتا تھا ساحل سے خجل ہو کر آب
جا کے جس بحر کو دیکھو وہی بات اب تک ہے
خشک اس روز کی خجلت سے فرات اب تک ہے

(۱۰۸)

تھی ندامت یہی پیاسا ہے نبیؑ کا جانی
کیوں نہ ہوں میں عرق شرم سے پانی پانی
قرق مجھ کو ہیں کئے ظلم و ستم کے بانی
میں جہاں میں ہوں رواں بند ہو شہؑ پر پانی
خاک ہو جاؤں میں دنیا میں یہ پانی بھی نہ ہو
آبرو مٹ گئی میری تو روانی بھی نہ ہو

(۱۰۹)

آ گئی یاد برادر کو برادر کی پیاس
کھینچ کر آہ لگے رونے جناب عباسؑ
دل سے باتیں یہ لگے کرنے بصد حسرت و یاس
مشک بھر کے چلو جلدی شہؑ والا کے پاس
منتظر دختر سلطان مدینہ ہوگی
جاں بلب پیاس سے اب اور سکینہؑ ہوگی

(۱۱۰)

دل میں یہ سوچ کے دریا میں فرس ڈال دیا
خنکی آب سے کچھ دل کا کنول تازہ ہوا
باگ کو چھوڑ کے غازی نے یہ گھوڑے سے کہا
پی لے پانی کہ ہے تو سولہ پہر سے پیاسا
سر ہلایا کہ ابھی میں نہ پیونگا پانی
آپ جب تک نہ پئیں اے مرے آقا پانی

(۱۱۱)

جھک کے پانی سے علمدار نے چلو کو بھرا
یاد آئی عطش شہ تو اسے پھینک دیا
بھر کے مشکیزہ کو وہ نہر سے پیاسا ہی چلا
آئے ساحل پہ تو مجمع تھا وہی فوجوں کا
شور تھا شیر نہ اک گام بڑھانے پائے
پاس شبیرؑ کے یہ مشک نہ جانے پائے

(۱۱۲)

پہلوانوں پہ بڑھا غیظ میں خود یہ جرار
چھین لی ڈھال کسی کی تو کسی کی تلوار
تیغ چلنے لگی گرنے لگے کٹ کٹ کے سوار
ہوتے جاتے تھے وہ سگ شیر درندہ کا شکار
جمع ہوکر جو بڑھی فوج وہی برہم کی
حملے عباسؑ کے تھے یا تھی جھپٹ ضیغم کی

(۱۱۳)

پشت رہوار سے کتنوں کو اٹھا کر پھینکا
دسواں جب پھینکا تو پہلا سوئے پستی آیا
گرتے گرتے اسے اک ہاتھ میں دوٹکڑے کیا
جاتے ہی عالم بالا کو دم انکا نکلا
قوت دست بہادر نے یہ اعجاز کیا
آج جسموں کو لئے روح نے پرواز کیا

(۱۱۴)

ناگہاں فوج سے بولا یہ بن سعدشقی
قتل یوں ہونگے نہ لاکھوں سے بھی عباس علیؑ
گھیر لیں چارطرف سے انہیں میداں میں جری
تیغیں ہاتھوں پہ کمیں گاہ سے مارے کوئی
مشک لے جانے کی اس شیر کوحسرت رہ جائے
بارش تیر ہو مشکیزہ پہ، پانی بہہ جائے

(۱۱۵)

مستعد ہو گیا اس ظلم و ستم پر لشکر
مشک پر تیر پڑا تیغ پڑی شانے پر
ساتھ پانی کے گرا دست یمیں بھی کٹ کر
پھینک کر ڈھال کو اس ہاتھ میں لی تیغ دوسر
دست چپ سے بھی اسی طرح سے بیڑا الٹا
ہاتھ عباسؑ کا مشاق تھا سیدھا الٹا

(۱۱۶)

دم میں اس ہاتھ سے بھی قتل کئے بیس جواں
حیف اس ہاتھ پہ بھی پڑ گئی تیغ بُرّاں
کٹ کے ریتی پہ گرا ہاتھ ہوا خون رواں
تیغ کو داب کے دانتوں میں ہوئے حملہ کناں
قتل یوں بھی کئے لشکر کے جواں صفدر نے
منھ پھرایا نہ مگر جنگ سے شیر نر نے

(۱۱۷)

گرز مارا کسی بے رحم نے بڑھ کر سر پر
حیف صد حیف کہ دوٹکڑے ہوا کاسۂ سر
بہہ کے آئی رخ انور پہ لہو کی چادر
گر پڑے خاک پہ عباسؑ علیؑ تیورا کر
گرتے ہی دی یہ صدا شاہ کو آؤ بھائی
دم آخر مجھے دیدار دکھاؤ بھائی

(۱۱۸)

گوش شبیر میں آئی جو یہ بھائی کہ صدا
روکے ہمشکل پیمبر سے یہ حضرت نے کہا
لو غضب ہوگیا مارے گئے رن میں بھیا
لے چلو باپ کو لاشہ پہ چچا کے بیٹا
صبر ہوتا نہیں اس غم میں نہ تاب آتی ہے
تھام لو ہاتھ کمر میری جھکی جاتی ہے

(۱۱۹)

روکے اکبرؑ نے کہا ہائے چچا قتل ہوئے
سچ ہے یہ غم کئے دیتا ہے جگر کے ٹکڑے
غم ہے یہ قوت بازو کا کمر کیوں نہ جھکے
تھام کر دست پدر لاش پہ عمو کے چلے
زخمہائے جگر و دل جو ابھی آلے تھے
راستے میں لب شبیرؑ پہ یہ نالے تھے

(۱۲۰)

کوئی اکبرؑ کے سوا اب نہیں یاور باقی
جو کرے نرغۂ اعدا میں مدد بیکس کی
داغ سے قوت بازو کی کمر ٹوٹ گئی
راہ چارہ میری مسدود ہوئی اے بھائی
غیر ممکن ہے میرے لب پہ جو نالے نہ رہیں
ہر قدم گر پڑوں اکبرؑ جو سنبھالے نہ رہیں

(۱۲۱)

نالے کرتے ہوئے جاتے تھے ابھی شاہؑ زماں
دیکھے دو ہاتھ کٹے تن سے زمیں پر غلطاں
خاک سے ان کو اٹھا کر یہ کیا رو کے بیاں
ہاتھ کٹوا دئے نصرت میں مری بھائی جاں
ہائے سونپا تھا تمہیں سید والا نے مجھے
ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا یہی بابا نے مجھے

(۱۲۲)

آئے روتے لب دریا جو شہنشاہؑ زماں
مضطرب خاک پہ دکھلائی دیا شیر ژیاں
عرض کی یہ علی اکبرؑ نے بصد آہ و فغاں
آگے جاتے ہیں یہاں سے شہؑ ذیجاہ کہاں
سر سے تسلیم کا کرتے ہیں اشارہ بابا
ہے یہی لاشۂ بے دست چچا کا بابا

(۱۲۳)

دیکھ کر لاش سے بے ساختہ لپٹے شبیرؑ
اشک آنکھوں سے رواں، تھی یہ لبوں پر تقریر
جس کے دیدار کے شائق تھے وہ آیا دلگیر
بات کوئی تو کرو بھائی سے ہنگام اخیر
کان مشتاق ہیں آواز سناؤ بھائی
کھولتے کیوں نہیں آنکھوں کو، بتاؤ بھائی

(۱۲۴)

عرض کی حضرت عباسؑ نے با دیدۂ تر
سبب مانع دیدار یہ ہے اے سرورؑ
آنکھ یہ کھل نہیں سکتی، ہے جما خونِ سر
اس طرف آنکھ پہ اک تیر پڑا ہے آکر
یاس آلودہ بھری آہ شہ والا نے
آنکھ سے خون چھڑایا پسر زہراؑ نے

(۱۲۵)

خون جب چھوٹ گیا کھل گئی چشم عباسؑ
کی نظر روئے شہ دیں پہ بصد حسرت و یاس
سر کو سرکایا زمیں سے قدم شہ کے پاس
عرض کی رہ گئی افسوس سکینہؑ بے آس
وعدۂ آب کی تا حشر ندامت ہی رہی
ہائے افسوس سکینہؑ سے خجالت ہی رہی

(۱۲۶)

گھر میں لے جایئے گا لاش نہ میری مولا
شرم آتی ہے دکھاؤں گا نہ میں منھ اپنا
کہہ کے پائے شہ والا پہ سر اپنا رکھا
مردنی چھا گئی ماتھے پہ پسینہ آیا
گئے اس نہر سے کوثر کے کنارے عباسؑ
مسکراتے ہوئے دنیا سے سدھارے عباسؑ

(۱۲۷)

روکے حضرت نے کہا مر گئے بھائی افسوس
لٹ گئی حیدر صفدر کی کمائی افسوس
ہو گئی اب مرے لشکر کی صفائی افسوس
اس ضعیفی میں مجھے موت نہ آئی افسوس
وہ ہوا جو مرے خالق کی مشیت میں تھا
شیب میں داغ جواں مرگ بھی قسمت میں تھا

(۱۲۸)

عرض کی شاہ سے اکبرؑ نے یہ با دیدۂ تر
حیف ہے رہ گئے لاکھوں میں اکیلے سرورؑ
سچ ہے ٹکڑے کئے دیتا ہے یہ غم قلب و جگر
کہیں خیمہ سے نکل آئیں نہ رانڈیں باہر
ہوش اس داغ سے ہوگا نہ کسی کو گھر میں
چل کے سمجھایئے ناموس نبیؐ کو گھر میں

(۱۲۹)

شہؑ نے رو کر کہا لاشہ پہ ابھی رونے دو
گردِ غم کو مجھے اشکوں سے ذرا دھونے دو
غم میں بے ہوش دم گریہ مجھے ہونے دو
جان اے لال برادر کے لئے کھونے دو
چھوڑ کر اب لب دریا جو انہیں جاؤں گا
پھر زمانے میں مَیں بھائی کو کہاں پاؤں گا

(۱۳۰)

کہہ کے یہ اور سوا سبط پیمبرؐ روئے
باپ کے ساتھ چچا کو علیؑ اکبر روئے
دل جو مضطر ہوا لاشہ سے لپٹ کر روئے
سن کے یہ شور حرم خیمہ کے اندر روئے
بچے عباسؑ کے بھی رکتے نہ تھے مادر سے
نکلی آتی تھی کھلے سر ہی سکینہؑ گھر سے

(۱۳۱)

در خیمہ سے یہ دی شاہ کو فضہؑ نے صدا
گھر سے نکلے نہ سکینہؑ کہیں آؤ آقا
بی بیاں بھی ہیں کھڑی در پہ بصد آہ و بکا
اٹھے کہتے ہوئے لاشے سے یہ سلطان ہدا
آکے جنت میں ملے گا یہ مسافر بھائی
اب میں جاتا ہوں خدا حافظ و ناصر بھائی

(۱۳۲)

سوئے خیمہ چلے شہؑ لاش سے رخصت ہو کر
ہاتھ تھامے ہوئے گو آتا تھا فرزند مگر
بھائی کے بار الم سے جھکی جاتی تھی کمر
در پہ پہونچے تو یہ ناموس سے بولے سرورؑ
کرکے مجبور لعینوں نے جری کو مارا
ہائے افسوس کہ عباسِ علیؑ کو مارا

(۱۳۳)

صحن خیمہ میں جو روتے ہوئے آئے مولا
مشک کو باندھ کے پر خوں وہ علم نصب کیا
آکے ناموس نبیؐ نے کیا ماتم برپا
سر کوئی پیٹتا تھا سینہ کوئی پیٹتا تھا
شہؑ سے دیکھا نہ گیا خیمہ کے باہر آئے
ہاتھ بغلوں میں دئے باپ کے اکبرؑ آئے

(۱۳۴)

کہتی تھی زیر علم بیوہ عباسؑ آکر
لٹ گیا راج مرا ہوگیا برباد یہ گھر
کیسی مرنے کے لئے آپ نے باندھی تھی کمر
تن تنہا ہی کیا عالم ہستی سے سفر
یاں مجھے چھوڑ گئے آپ مصیبت کے لئے
ساتھ لونڈی کو نہ لیتے گئے خدمت کے لئے

(۱۳۵)

کوئی امید ہے، باقی ہے نہ اب کوئی آس
(سخت جانی) کے سبب سے مجھے مرنے سے ہے یاس
بیٹھنے دیگا نہ بیوہ کو کوئی اپنے پاس
ہر سہاگن مرے سایہ سے کرے گی وسواس
اے اجل موت ہے منظور مصیبت سے مجھے
تو بچا لے نظر چشم حقارت سے مجھے

(۱۳۶)

بس بس اب بین نہ بیوہ کے بیاں کر فاخرؔ
مرثیہ ایک ابھی اور ہے کہنا آخر
ہوگئی فکر تری اہل سخن پر ظاہر
نظم پر جانتے ہیں طبع تری ہے قادر
بس رمل میں نہ بہت ذہن کی جودت دکھلا
بحر مجتث میں بھی ہاں جوش طبیعت دکھلا

منقبت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

یاورؔ وارثی صاحب، کانپور

دکھا سکے گی نہ تاریخ دوسرا شبیر — کہ ہے نواسۂ محبوبِ کبریا شبیر
سوال ہاتھ کا تھا، تونے سر دیا شبیر — یہ کارنامہ بھی بے مثل ہے ترا ، شبیر
علی کا لعل ہے زہرا کی آنکھ کا تارا — وہ کربلا کا شہنشاہ، وہ مرا شبیر
شکست پیاس کو دینے کا جب ملا موقع — فرات پاؤں کی ٹھوکر پہ رکھ گیا شبیر
تمہاری ہمت و جرأت کی مانگتا ہے زکوٰۃ — تمہارے کوچے کا منگتا ہے حوصلہ شبیر
فقط تھا ایک نوالہ یزید کا لشکر — زمیں کو ہوتا اشارہ جو آپ کا شبیر
دیا جو آخری سجدے میں سر کا نذرانہ — ہر ایک ذرہ پکار اٹھا مرحبا شبیر
یزید کا کہیں نام و نشاں نہیں باقی — تری فرات، ترا دشت کربلا شبیر
دل فسردہ کی آنکھوں میں جل اٹھے ہیں چراغ — پکارا غم کے اندھیرے میں جب بھی یا شبیر
علی کے بعد جو پوچھی گئی پسند مری — کچھ اور کہہ نہ سکا میں نے کہہ دیا شبیر
تمہارا ذکر جب آیا تو آگئے آنسو — دراز ہو گیا یادوں کا سلسلہ شبیر
ہم اپنے غم کو بڑا غم سمجھتے ہیں لیکن — تمہارے غم پہ ہوئی غم کی انتہا شبیر
چلی جو تیغ ستم ، آسمان کہنے لگا — ضرور خون ترا رنگ لائے گا شبیر
مہ و نجوم رسالت مآب روشن ہیں — عظیم ہے ترا چھوٹا سا قافلہ شبیر
کوئی سوال نہیں ڈوبنے بھٹکنے کا — ہے اب بھی کشتی امت کا ناخدا شبیر
قدم جو شوق کے اٹھے تری گلی کی طرف — چراغ بن کے چلے تیرے نقش پا شبیر
تمام عکس نمایاں نقوش واضح ہیں — نگار خانۂ حق کا ہے آئینہ شبیر
صدائے تشنہ کو جام جواب کی ہے طلب — کرم ہو ساقی میخانہ عطا شبیر
رضا کا تاج ترے سر پہ رکھ دیا رب نے — ہے تیری شام بھی اک صبح جانفزا شبیر
تمام رات لکھا حرفِ حق پہ اک مضمون — ہوئی جو صبح تو دیکھا لکھا ہوا شبیر
تمہارا ذکر ہے یاورؔ کے ہر مرض کا علاج — تمہارا نام ہے یاورؔ کا آسرا شبیر
کسی بھی شانے پہ ملتا نہ سر ، اگر یاورؔ — دکھاتے جوہر شمشیر مرتضیٰ شبیر